سید ہدایت حسین

آج کا عالم اسلام

اسلامی معاشرہ کے خد و خال

دین و ایمان مسلمانوں کی ہمہ جہتی کامیابی کا ضامن رہے ہیں - وہ صرف لڑائی کے میدان میں ہی فتح مند نہیں ہوئے بلکہ انھوں نے زندگی کو اس کی متنوع صورتوں میں مسخر کیا - اسلام نے زندگی کی تمام حقیقتوں کو ایک وحدت میں جوڑ دیا اور متعدد و متنوع عوامل ایک جامع نظام میں جڑ گئے - ہر شے اسلامی ہیئت میں متشکل ہو گئی اور اسلامی طرز اجتماعی کے اختیار سے معاشرہ میں یک رنگی و ہم رنگی پیدا ہو گئی - اس سارے عمل میں قوت متحدہ شریعت ہی تھی - شریعت نے نماز سے لے کر حقوق مالکانہ تک زندگی کے شعبہ کی صورت گری کی - اس نے اسپین سے چین تک یکسانگی اور یک رنگی پیدا کی - فرد کی زندگی کو وحدت ، مرکزیت اور تنظیم کا زیور دیا - اسی کے علم سے ہر عمل ایک مربوط الٰہی نظام کا جزو بن گیا - اور کوئی افراتفری اور انتشار باقی نہ رہا - شریعت نے زمانہ کو مسخر کرکے تاریخی تسلسل کو قائم کر دیا اور ہر دور زمانہ ماقبل سے مربوط ہو گیا - ہر حکمران کی ذمہ داری شریعت کا نفاذ رہی - لہٰذا حکمرانوں اور خاندانوں کی تبدیلی سے مسلمان معاشرہ پر کوئی خاص اثر نہ ہوا - چنانچہ غلاموں کو جو قدر و منزلت دور سابق میں حاصل ہوئی وہ بعد میں بھی اس کے حامل رہے اور خاندان غلامان کی حکمرانی تواریخ کا ایک روشن باب ہے - اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ جب سلطان محمود نے ایک بڑھیا کو ڈاکوؤں کے ظلم سے بچانے کے سلسلے میں اپنی مشکلات بتائیں تو بھرے دربار میں بڑھیا نے اس سے کہا کہ اگر وہ اپنی ذمہ داری پوری نہیں کر سکتا تو اس علاقہ کا حکمران کیوں بنا - اور یہ بھی ایک تواریخی حقیقت ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر نے اپنے ایک عامل کے مقابلہ میں ، جو ایک ہندو کمہار کی بیٹی سے زبردستی شادی کرنا چاہتا تھا ، کمہار کے حق کو ترجیح دی - قانون کی بالا دستی ایسی قائم ہوئی کہ حاکم وقت نے اپنے ہاتھ قصاص میں کٹانے کے لیے بڑھا دیے - عورت ترقی کرکے فرمانروائی کے منصب تک جا پہنچی اور

رضیہ سلطانہ اور چاند بی بی نے اپنے نام تاریخ میں محفوظ کر دیے ۔

ترقی و تنزل تواریخی حقیقتیں ہیں ۔ اس نظام کے پیرو کاروں کے ایمان و یقین میں بھی ضعف پیدا ہوا اور عمل میں کوتاہیاں ہونے لگیں ۔ اغیار نے ان کمزوریوں سے فائدہ اٹھایا ۔ ان کی سائینسی اور تکنیکی ترقی نے ہماری آنکھیں خیرہ کر ہی دی تھیں ۔ ہم نے ان کی نظریاتی ، معاشرتی ، تنظیمی ، تعلیمی ، سیاسی و انتظامی قدروں کو اپنی اقدار پر ترجیح دی ۔ ہم نے ان کی قدروں کو تقریباً ایک صدی تک اپنائے رکھا اور اس خیال میں مبتلا رہے ، کہ ہم ترقی کر رہے ہیں ۔ لیکن آج جب ہم عالم اسلام پر نظر دوڑاتے ہیں تو یہ حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ ہر چند ہم نے مغربی مکتبہ فکر پر صدق دل سے عمل کیا ، اس سے فائدہ اٹھانے کی حتی المقدور کوشش کی ، موزوں طریقے سے بہترین افراد منتخب کیے اور ان کی کارکردگی کو بہتر بنانے کے لیے مغربی ممالک میں ہی ان کی تربیت کا انتظام کیا لیکن ہر شعبے میں ناکامی ہمارا مقدر بنی ، زراعت ہو یا معیشت — تعلیم ہو یا طب ، انتظامیہ ہو یا عدلیہ ، سیاست ہو یا حکومت ہر طرف ناکامی ہی ناکامی ہے ۔ سیاست ہمیں کوئی مستحکم نظام نہ دے سکی ۔ خوراک کے لیے بھی ہم دوسروں کے دست نگر ہیں ۔ صحت کے معاملے میں عام آدمی تو کیا سرکاری ہسپتالوں سے دوا نہیں ملتی ۔ تعلیم کا کوئی مقصد ہی نظر نہیں آتا ۔ اکثر ممالک میں امن و امان کی صورت حال سے ہم پر درندوں کا گمان ہوتا ہے ۔ اقتصادیات کا یہ عالم ہے کہ کچھ ممالک کا بال بال قرض میں جکڑا ہوا ہے اور کچھ خوش حال ممالک بھی مغرب کے دست نگر ہیں ۔ اپنا سب کچھ قربان کرنے کے باوجود ہم مغرب کی اصطلاح میں ترقی یافتہ بھی نہ بن سکے ۔ ہم ترقی پذیر ہی ہیں ۔ اس اصطلاح کا استعمال بھی تکلف ہی ہے ۔ ورنہ ہم صحیح معنوں میں پس ماندہ ہیں ۔ ہم پھر دور جہالت میں لوٹ گئے ہیں وہی استحصال وہی سودی کاروبار ، وہی جنسی بے راہ روی ، وہی افتراق و انتشار ۔ سائنسی اور تکنیکی ترقی میں جو مغرب کی خصوصی کامیابی ہے ہمارا حصہ نہ ہونے کے برابر ہے ہاں جرائم اور جرائم سے متعلق شعبوں مثلاً وکالت اور کچہری میں ہم نے خاطر خواہ نام پیدا کیا ہے ۔ یہ ضرور ہے کہ اخلاقی اقدار میں کہیں کہیں ہم مغرب سے بہتر ہیں ۔

خوش قسمتی سے ملت کو یہ احساس ہو گیا ہے کہ موجودہ ابتری سے نکلنے کا واحد راستہ شرعی خطوط پر مسلمان معاشرہ کی استواری ہے ۔ وہی نظام جو رحمتہ اللعالمین نے وحی الٰہی کے تحت قائم کیا تھا ۔ ہر مسلمان ملک کے ہر فرد کے دل کی یہ دھڑکن ہے کہ ایسا معاشرہ جلد قائم ہو اور یہی آج

کی دنیائے اسلام کی اولین ضرورت ہے ۔ اس مقصد کے حصول میں پہلا قدم اس خاکہ کا تعین ہے جس پر اسلامی معاشرہ قائم رہتا ہے ۔ مندرجہ ذیل سطور میں اس کے خطوط کی نشاندہی کی جاتی ہے ۔ اس نظام میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کے ذریعہ فرائض کا تعین ہوتا ہے ۔ حقوق اللہ کا مطلب ہے فرد کے فرائض جن کے ادا کرنے سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے ۔ جس طرح حقوق العباد سے مراد ہے فرد کی ذمہ داری دوسرے افراد کی بابت ایک کا فرض دوسرے کے حق کا تعین ہوتا ہے ۔ معاشرہ کے ارکان میں توازن حق کی بجائے فرائض کے ذریعہ قائم کیا جاتا ہے ۔ اسی طرح حقوق پر زور سے جو تصادم ہوتا ہے ۔ وہ یہاں نہیں ہوتا ۔ مثلاً ایک شخص کے پاس ایک پنسل ہے جس کا دوسرا شخص بھی دعویٰ دار ہے اور ہر شخص کا زور اس پر ہو کہ یہ پنسل اس کی ہے تو جو تصادم پیدا ہوگا وہ ان دو افراد کو ضرر پہنچانے کے علاوہ پنسل کو ضائع بھی کر سکتا ہے اس کا تجربہ موجودہ عدالتوں میں جانے والے فریقین کو خوب ہوتا ہے ۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دونوں نقصان اٹھاتے ہیں ۔ اور مال تیسرے کے پاس پہنچ جاتا ہے ۔ اس کے برعکس اگر ایک فریق پنسل پر دوسرے کا حق تسلیم کر لے یا اپنے حق سے دستبردار ہو جائے تو تصادم کا امکان نہیں رہتا ۔ دراصل ہمارے یہاں دوسرے پر اپنے آپ کو مقدم رکھا جاتا ہے ۔

عدل و قسط اس نظام کی بنیاد ہیں ۔ اس مقصد کے لیے ظلم کے خلاف جہاد ہر فرد پر فرض ہے ۔ ظلم سے مراد ہے کہ کسی چیز کو اس جگہ سے ہٹا دینا جہاں اسے ہونا چاہیے ۔ جو بھی ظلم دیکھے اس پر لازم ہے کہ حتی المقدور اسے دور کرنے کی کوشش کرے ۔ اس طرح پورے معاشرہ کی کوشش ہوتی ہے کہ حق دار کو حق پہنچے اور یہ مقولہ «حق بحقدار رسید» ہمارے طرز زندگی کا آئنہ دار ہے ۔ یعنی حقدار کو حق پہنچایا جائے نہ کہ اسے اپنے حق کے حصول کے لیے یکہ و تنہا چھوڑ دیا جائے ۔ اگر اس میں اپنا حق حاصل کرنے کی طاقت ہوتی تو اس کا حق مارا ہی کیوں جاتا ۔ حکمران کی یہ ذمہ داری ہے کہ مظلوم کی حق رسی کرے ۔ یہ عذر کہ مظلوم نے فریاد نہیں کی ، قابل قبول نہیں ہے ۔

اس نظام کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ یہاں فساد کے ہونے کا انتظار نہیں کیا جاتا بلکہ ہر وہ چیز جو فساد پیدا کر سکتی ہے اسے نپٹا جاتا ہے ۔ مثلاً مغربی نظام ، جب تک شراب نوشی فساد پیدا نہ کر دے ، حرکت میں نہیں آتا ۔ اس کے برعکس شریعت جیسے ہی شراب نوشی کا خیال آتا ہے ، حرکت میں آ جاتی ہے ۔ جیسے ہی خیال آئے کفارہ واجب ہے جو شیطان سے

پناہ مانگنا یا چند نفل پڑھنا ہے - جیسے ہی شراب نوشی کے لیے قدم میخانہ کی طرف بڑھیں تو محتسب تعزیر کے ساتھ آڑے آتا ہے اور اگر شراب نوشی ہو ہی جائے تو پھر حد کا سہارا لیا جاتا ہے - اس طرح اگر دو شخص زور سے بول رہے ہوں تو محتسب فوراً آ جاتا ہے تاکہ اگر نزاع کی صورت ہو تو دفع کی جاسکے -

ہمارے ہاں ریاست منجملہ اور کے مندرجہ ذیل امور کی ذمہ دار ہے -

(۱) حفظ ایمان (۲) حفظ جان (۳) حفظ مال (۴) حفظ عزت (۵) حفظ نسب (۶) حفظ عقل -

حفظ ایمان ، حفظ مال ، عزت ، نسب و عقل کے لیے ارتداد حد سرقہ ، حد قذف ، حد زنا اور حد شراب کے احکامات ہیں اور حفظ جان کے لیے قصاص کے - یہ احکامات ریاست کو اپنی ذمہ داری پوری کرنے کے لیے ضروری اختیارات مہیا کرتے ہیں -

معاشرہ کے امور کے چلانے کے لیے حسبہ ، قضاء اور مظالم کے شعبہ ہیں - حسبہ کا تعلق احتساب سے ہے جس کے ذمہ اقام الصلوٰۃ پابندی صوم اور اوامر و نواہی کا نفاذ ہے - قضأ ''حدود و قصاص سے متعلق ہے'' - مظالم خصوصی اختیارات کا حامل ادارہ ہے جو ماتحت اداروں کے فیصلوں پر مرافعہ میں اس غرض سے نظر ثانی کرتا ہے کہ کہیں فیصلہ کے نفاذ سے نا انصافی تو نہیں ہوگی -

آئیے اب اسلامی معاشرہ کی عملی شکل دیکھیں - پوری آبادی تقریباً ایک ایک ہزار کے گروہ میں منقسم ہوتی ہے - جسے عاقلہ کہتے ہیں - عاقلہ کا مطلب ہے ہم جدی ایک دادا کی اولاد - اسلام نے نظریاتی اخوت قائم کی - ''انماالمومنون اخوتہ'' اور ''المسلم اخ المسلم'' - اس میں معیشت کے لیے مفید افراد ، لوہار ، بڑھئی ، پیش امام اور استاد وغیرہ بھی شامل ہوتے ہیں - اب ہم ان کی جگہ پروفیسر ، ڈاکٹر اور انجنیئر لے سکتے ہیں - یہ گروہ اپنے حدود میں وقوع پذیر ہونے والے تمام امور کا فرداً فرداً اور اجتماعی طور پر ذمہ دار ہوتا ہے - عاقلہ کا بہترین فرد محتسب اعلیٰ ہوتا ہے - اس کی مدد کے لیے کچھ محتسب بھی ہو سکتے ہیں - اس کا مرکز مسجد ہوتی ہے - مسجد کے ساتھ حجرہ ہوتا ہے جو مسافروں کے لیے مسافر خانہ ہوتا ہے - ساتھ ہی بازار ، مدرسہ ، ہسپتال ہوتا ہے - معیشت کے لیے مفید کام مثلاً زراعت ، تجارت ، صنعت و حرفت درس تدریس افراد کے ذریعہ معاش ہوتے ہیں -

اس نظام میں روٹی کی ضمانت خود کار میگنیزم ہے ۔ شریعت کی رو سے مسلمان کے لیے ایک وقت میں ایک سالن سے زیادہ کھانا اسراف میں شامل ہے ۔ شہد اور سرکہ دو سالن متصور ہوتے ہیں ۔ لیکن مہمان کی ضیافت میں ایک سے زیادہ سالن بھی شامل کیے جا سکتے ہیں ۔ لہٰذا خوش خوراک لوگ کھانے کے وقت کسی مہمان کے منتظر رہتے ہیں کہ ان کی شمولیت سے ان کے لیے بھی گنجائش نکل آئے ۔ پھر یہ کہ اگر کوئی کھانا کھا لے اور اس کا پڑوسی بھوکا سو جائے تو اس کا کھانا حرام ہو جاتا ہے ۔ اس کے علاوہ اگر کوئی شخص عاقلہ کی حدود میں مرا ہوا پایا جائے اور یہ ثابت ہو جائے کہ اس کی موت بھوک کی وجہ سے ہوئی ہے تو پورا علاقہ اس کی موت کا ذمہ دار قرار پاتا ہے اور اس سے دیت وصول کی جاتی ہے ۔

فرض کیجیے کہ کوئی مسافر آ جاتا ہے اس کے ٹھہرنے کا انتظام حجرہ میں ہوتا ہے کھانے کا انتظام محتسب اعلیٰ خود کرتا ہے یا کسی کے ذمہ کر دیتا ہے ۔ جہاں ہزار آدمیوں کے کھانے کا انتظام ہو اس کھانے میں دس ، بیس ، پچاس آدمیوں کو شامل کر لینا چنداں مشکل نہیں ہے ۔

پانچ وقت مسجد میں آنے جانے سے لوگ ایک دوسرے کے حالات سے باخبر رہتے ہیں اور ایک دوسرے کے شریک حال ۔ اگر کوئی شخص مسجد میں حاضر نہ ہو تو فوراً اس کی خبر گیری کی جاتی ہے ۔ اگر وہ بیمار ہو تو ابتدائی علاج مہیا کیا جاتا ہے ۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے درس نظامیہ میں طب کچھ برس پہلے تک شامل تھا ۔ در اصل دیکھا جائے تو عام بیماریاں انگلیوں پر گنی جا سکتی ہیں مثلاً ملیریا ، زکام ، کھانسی ، پیچش اور کمزوری وغیرہ ۔ ان سب کی مجرب (پیٹنٹ) دوائیں ہیں جن سے ضرر کا اندیشہ نہیں ۔ ان پر لاگت بھی زیادہ نہیں آتی ۔ اگر یہ دوائیں محتسب اعلیٰ یا محتسب کو مہیا کر دی جائیں اور اسے ان کے استعمال کی ابتدائی تربیت بھی دے دی جائے تو صحت عامہ کا مسئلہ بڑی حد تک حل ہو سکتا ہے ۔ اگر مرض اس کے علاج سے باہر ہو تو مریض کو بڑے ہسپتال پہنچایا جا سکتا ہے جہاں خصوصی معالج اس کا علاج کر سکتے ہیں ۔

تعلیم کا انتظام بھی اسی طرح سطح پر ہوتا ہے ۔ ہر مسجد میں ایک یا ایک سے زائد عالم ہوتا ہے جو امامت کے فرائض کے علاوہ درس و تدریس بھی کرتا ہے ۔ بہتر تعلیم کے لیے اور بڑے عالم کے حلقہ میں شامل ہو سکتے ہیں ۔

تعلیم کے اخراجات معاشرہ برداشت کرتا ہے۔ سب کو ایک ہی طرح کے مدرسوں میں پڑھنا پڑتا ہے۔ مختلف طبقوں کے لیے علیحدہ علیحدہ طرز کے نہیں۔

تمام باہمی تنازعات طے کرنے کے لیے حسبہ کا ادارہ ہے۔ سارے معاملات 'الصلح خیر' کے اصول پر طے ہوتے ہیں۔ نزاع کے ظاہر ہوتے ہی محتسب آ جاتا ہے اور رفع دفع کی صورت نکالتا ہے۔ اکثر معاملات فساد ہونے سے پہلے ہی طے ہو جاتے ہیں۔ اگر فساد ہو ہی جائے تو باہمی صلح کرانے کی کوشش ہوتی ہے۔ صلح کے لیے اگر فریقین چاہیں تو لین دین بھی کر سکتے ہیں۔ اگر صلح کی کوئی صورت نہ نکلے تو معاملہ قاضی کے پاس جاتا ہے۔

جرائم سے نپٹنے کا طریقہ درج ذیل ہے:

«الف» اور «ب» دو عاقلہ کی حدود ہیں۔ فرض کیجیے الف کی حدود میں کوئی نعش پائی جاتی ہے۔ ورثا کے تردد کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ان کا حق ان کو پہنچے گا۔ وہ اگر چاہیں تو حکومت کو اپنے آدمی کی جان کے ضائع ہونے کی اطلاع دے دیں۔ یہ حکومت کی ذمہ داری تھی کہ جان کی حفاظت ہو، لہٰذا ورثا سے یا کسی دوسرے ذریعہ سے اطلاع ملتے ہی حکومت حرکت میں آ جاتی ہے اور عاقلہ الف کو ذمہ دار ٹھہراتی ہے۔ اگر یہ لوگ قاتل اور عینی شاہد پیش کر دیں تو حکومت ان کو ورثا کے سامنے کر دیتی ہے۔ تاکہ وہ اس سے معاملہ کر لیں۔ دیت لے لیں یا قصاص میں قتل کر دیں اگر قاتل تو مل جائے لیکن ثقہ گواہ ایک ہی ہو تو قصاص ساقط ہو جاتا ہے۔ دیت قاتل سے صرف ایک شاہد کی شہادت پر بھی وصول ہو سکتی ہے۔ اگر گواہ ایک بھی نہ ہو تو ملزم کو حلف دیا جائے گا۔

اگر وہ حلف نہ اٹھائے تو دیت کا ذمہ دار ہوگا۔ اور حلف اٹھا لے تو اس پر کوئی ذمہ داری باقی نہیں رہتی۔ ایسی صورت میں قاتل کے نہ ملنے پر دیت حکومت اپنی طرف سے ادا کر دیتی ہے۔ اور پھر عاقلہ سے سالانہ ایک روپیہ فی کس وصول کرتی ہے۔ اس طرح مظلوم کی حق رسی بھی ہو جاتی ہے اور کسی پر برداشت سے زیادہ بار بھی نہیں پڑتا۔

اسی طرح اگر چوری ہو جائے تو چور کا پیش کرنا عاقلہ کی ذمہ داری ہے۔ بصورت دیگر چوری کے مال کی مالیت ثابت ہو جانے پر وہ نقصان کی

تلافی کا ذمہ دار ہوگا۔ مندرجہ بالا بیان سے یہ تصور نہ قائم ہو کہ یہ نظام صرف قبائلی ڈھانچہ تک ہی محدود ہے۔ در اصل ہماری پچاسی (۸۵) فی صد آبادی دیہات میں رہتی ہے۔ اور اس کی ہیئت عاقلہ کی سی ہے۔ مزید برآں یہ نظام بڑے بڑے شہروں بغداد وغیرہ میں بھی قائم رہا ہے۔ شہروں میں عاقلہ کی تشکیل کے لیے واضح اصول دیے ہوئے ہیں۔

مندرجہ بالا عاقلائی پیمائی نظام حضور نے مدینہ میں قائم کیا تھا۔ چودہ صدیوں تک یہی خاکہ مسلمان معاشرہ کی بنیاد رہا۔ تقریباً ایک صدی کے تعطل نے کچھ ابہام پیدا کر دیے ہیں۔ اور یہ خیال پیدا ہوا ہے کہ شریعت میں بڑے پیمانہ پر تبدیلی کے بغیر اسے موجودہ دور میں نافذ نہیں کیا جا سکتا۔ اس خدشہ کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ اول تو یہ نظام اس عرصہ میں بھی کافی حد تک کہیں نہ کہیں نافذ رہا ہے۔ دوم یہ کہ جو نظام کئی صدیوں تک دنیا کے جغرافیائی اور تواریخی تنوع کے حامل ایک بڑے حصہ پر نافذ رہا ہو اس میں ہر ممکنہ پیش آنے والی مشکل کا حل پایا جانا غیر متوقع نہیں ہے۔ اگر کوئی مسئلہ ایسا پیش آئے جس کا حل واقعی نہیں ہے تو شریعت کے اصول کے تحت اس کا حل نکالا جا سکتا ہے۔ اس مفروضہ کو بنیاد بنا کر نظام کے نفاذ کو ہی موخر کر دینا بے یقینی کی دلیل ہے۔

ترقی کے لیے امن و امان کی صورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بات اب سب ہی تسلیم کرتے ہیں۔ کہ شریعت کے نفاذ سے امن و امان کی حالت قابل رشک ہو جاتی ہے۔ ہم عاقلہ کو ترقی کی بنیادی اکائی بنا سکتے ہیں۔ اور اس طرح امداد باہمی کے تمام منصوبے بطریق احسن پورے کر سکتے ہیں۔ زکوٰۃ، عشر اور خمس، خراج کی مدات روٹی، کپڑا اور مکان کی ضمانت مہیا کرتی ہے۔ ان کے مبادیات کیا ہیں۔ قابل زکوٰۃ اشیاء اور وصولی کا طریقہ کار، اس کے مصارف، ہر پہلو پر مواد موجود ہے۔ ہمارے ملک کی اسلامی نظریاتی کونسلوں نے جو سفارشیں مرتب کیں وہ عموماً وہی ہیں جو فقہ کی مستند کتابوں میں ہیں۔ زکوٰۃ کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ مقامی ضروریات پوری کرنے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ فاضل رقوم مرکز کو جاتی ہیں جو اسے کم آمدنی والے حلقہ میں منتقل کر دیتا ہے۔ الغرض شریعت ایسا نظام قائم کرتی ہے جس میں ہر شخص کی بنیادی ضروریات پوری ہوتی ہیں اور اسے ترقی کے یکساں مواقع میسر ہوتے ہیں۔ ہر شخص حکومت کے اختیارات اور ذمہ داری میں شریک ہوتا ہے اور یہی حقیقی جمہوریت ہے۔